مولانا مفتی غلام قادر نعمانی

''فقہی سیمینار'' اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان

اسلامی نظریاتی کونسل نے بمورخہ ۲، ۳ جون ۲۰۱۰ء میں ایک فقہی تحقیقی سیمینار کا اہتمام کیا تھا جس کا ایجنڈا ربا (سود) سے متعلق چند سوالات تھے اس سیمینار کے مندوب جناب شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ سربراہ جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک تھے لیکن کثرت مصروفیات کی بناء پر انہوں نے بندہ کو سیمینار میں حاضری کا حکم فرمایا، چنانچہ حسب تعمیل حکم بندہ مقررہ تاریخ پر سیمینار میں شریک ہوا اور اپنا مقالہ بھی سیمینار میں پیش کیا۔ (نوٹ: سیمینار کا اصل موضوع پاکستانی بینکنگ تھا)

سیمینار میں کیا کچھ کہا گیا اور کیا کچھ سنا گیا یہ تفصیلی بات ہے لیکن میں مختصر طور پر اس کا خلاصہ پیش کرتا ہوں۔

جب اجلاس کا آغاز ہوا تو معلوم ہوا کہ مجلس کا اصل مقصد بینکنگ ہے۔ اجلاس کے بعض شرکاء نے اس پر بہت زور دیا کہ ''موجودہ بینکنگ نظام شرعی اور اسلامی ہونا چاہیے''

اور یہ بھی کہا گیا کہ دلائل میں صرف قرآن وحدیث کافی ہے (یعنی فقہ کی ضرورت نہیں)

اور اس پر بہت سارے دلائل پیش کئے گئے لیکن دو دلیلیں بہت شدومد سے پیش کی گئیں۔

دلیل نمبر ۱: حرمت سود کا اصل اور بنیاد ظلم ہے چنانچہ آیت کریمہ ارشاد ہے

وان تبتم فلکم رؤوس اموالکم لاتظلمون ولا تظلمون.

چونکہ اس آیت کریمہ میں واضح فرمایا گیا ہے کہ تم اپنے راس المال کی واپسی میں کسی کے ساتھ ظلم نہ کرو یعنی راس المال سے زیادہ رقم نہ لو اور تم پر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ یعنی تمہارا راس المال تمہیں پورا دیا جائے گا۔ اور اس میں کمی نہیں کی جائے گی تو اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حرمت رباء کا اصل اور علت ظلم ہے تو جہاں ظلم ہو وہاں ربا حرام ہوگی، اور اس کے برعکس اگر ظلم نہ ہو تو پھر ربا حلال ہونا چاہیے۔

اس دلیل سے ضمناً یہ بات معلوم ہوگئی کہ موجوہ بینکنگ میں فرد اپنی مرضی سے سرمایہ جمع کرتا ہے اور بینک والے ان کو اپنی مرضی سے نفع دیتے ہیں، نہ سرمایہ جمع کروانے والے پر جبر ہوتا ہے، اور نہ نفع دینے والے پر کسی قسم کا اکراہ ہوتا ہے، لہٰذا موجودہ پاکستانی بینکوں میں حرمت رباء کی وجہ (ظلم) نہیں ہے۔ لہٰذا یہ جائز ہونا چاہیے۔

مذکورہ استدلال میں خدشات:

مذکورہ آیت کریمہ سے جو استدلال کیا گیا ہے۔ یہ چند وجوہات کی بناء پر درست نہیں ہے

۱: رباء کی حرمت منصوص، قطعی اور دائمی ہے نہ معلل بعلۃ ہے اور نہ کسی وقت اور زمانہ کے ساتھ خاص ہے، جبکہ مذکورہ استدلال میں اس حرمت کو علت (ظلم) کے ساتھ خاص کیا گیا ہے جو کہ درست نہیں ہے۔

۲: آیت کریمہ میں لاتظلمون ولا تظلمون سے پہلے یہ الفاظ مذکور ہے کہ

وان تبتم فلکم رؤوس اموالکم یعنی جو لوگ ربا (سود) سے توبہ کر کے رجوع کرتے ہیں تو ان کے لئے سود لینا تو حرام ہے لیکن اپنا سرمایہ واپس لینا حرام نہیں ہے۔ ان کو اپنا سرمایہ واپس دینے میں مدیون ان کے ساتھ ظلم نہیں کرے گا، بلکہ ان کو اپنا سرمایہ پورا ادا کرے گا۔ اور آیت کریمہ کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جبر و اکراہ کی صورت میں ربا حرام ہے اور اگر جبر و اکراہ نہ ہو بلکہ اپنی مرضی سے لینا اور دینا ہو تو پھر حلال ہے۔

۳: مذکورہ استدلال میں ظلم کو جبر و اکراہ کے ساتھ خاص کیا گیا ہے یہ تخصیص بھی درست نہیں ہے کیونکہ ظلم کے معنی کا ایک وسیع مفہوم ہے اور جبر و اکراہ اس مفہوم کا ایک قسم ہے پورا مصداق نہیں ہے۔ چنانچہ ظلم کا متعارف معنی بین الناس عدل و انصاف کے خلاف کام کرنے کا نام ہے اور ربا بہر صورت انصاف کے خلاف ہے اور وہ اس طرح کہ مالک کا سرمایہ بہر صورت محفوظ رہتا ہے اور حفاظت کے ساتھ ساتھ مالک کو ایک متعین مقدار میں نفع بھی حاصل ہو جاتا ہے جبکہ اس کے بالمقابل عامل (سرمایہ استعمال کرنے والا) کو بعض اوقات تو نفع ہوتا ہے لیکن بسا اوقات عامل کاروبار میں خسارے کا شکار ہو جاتا ہے جس سے اس کی محنت بھی برباد ہوتی ہے اور سرمایہ کا ذمہ دار بھی رہتا ہے اور یہ انصاف نہیں ہے کہ ایک شخص کو بلا محنت نفع بھی ملے اور اس کا سرمایہ بھی محفوظ رہے، اور اس کے بالمقابل دوسرے شخص کی محنت بھی ضائع ہو اور سرمائے کے خسارے کا بھی ذمہ دار ہو اور نفع اور نقصان دونوں میں برابر کے شریک ہو چونکہ رباء ہر صورت میں عدل و انصاف کے خلاف ہے لہٰذا ظلم کے زمرے میں شامل ہے چاہے ظلم کم ہو یا زیادہ۔

۴: اگر رباء کو ظلم یعنی جبر و اکراہ کے ساتھ خاص کیا جائے تو اس دور میں کوئی بھی ظالم اپنے ظلم کو ظلم نہیں سمجھتا بلکہ ظلم کو انصاف کا نام دیتا ہے تو عام لوگ ظلم کو عین انصاف کہیں گے اور یہ ظلم در ظلم ہے لہٰذا ان وجوہات کی بناء پر یہ استدلال درست نہیں ہے۔

دلیل نمبر۲: دوسری دلیل جو بعض شرکاء مجلس نے بینکنگ کے جواز کے لئے پیش کیا اس کا حاصل یہ ہے کہ حدیث شریف میں رباء سے متعلق چھ اشیاء کا ذکر ہے۔

الذھب بالذھب و الفضۃ بالفضۃ

ان چھ چیزوں میں موجودہ کرنسی کا ذکر نہیں ہے اور نہ کرنسی میں حرمت رباء کی علت پائی جاتی ہے لہٰذا رباء کا حکم کرنسی میں جاری نہیں ہونا چاہیے کیونکہ کرنسی (نوٹ) درحقیقت ایک کاغذ ہے جو قوت خرید کی نمائندگی کرتا ہے تو اگر ایک شخص نے کسی اور کو نوٹ دیا تو درحقیقت انہوں نے قوت خرید کا ایک سند دیا تو واپسی کے وقت قوت خرید (قیمت) کی رعایت کی جائے گی کاغذ کی ظاہری مثلیت کی نہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ نوٹ کی قیمت روز بروز کم ہوتی چلی جارہی ہے اگر واپسی

میں بھی وہی مقدار (تعداد) واپس کیا جائے تو اس صورت میں قرض دہندہ پر ظلم ہے وہ اس طرح کہ جس وقت یہ شخص قرض روپیہ دے رہا تھا' تو اس وقت مثلاً ایک سال پہلے ایک ہزار روپیہ سے جو سامان خریدا جا سکتا تھا اب وہ مقدار نہیں خریدا جا سکتا تو معلوم ہوا کہ قوت خرید کم ہوگئی تو قوت خرید کے لحاظ سے قرض دہندہ خسارے میں پڑ گیا تو اس ظلم سے نجات کا راستہ یہ ہے کہ قرض دہندہ کے لئے ایک سال بعد واپسی کی صورت میں مزید اضافہ (سود کی صورت میں دیا جائے) یہ سود درحقیقت اس قوت خرید کی کمی کا صلہ ہوگا اور حقیقی شرعی سود کے حکم میں نہیں ہے۔

مذکورہ استدلال نمبر۲ کئی وجوہات کی بناء پر درست نہیں:

پہلے تو یہ بات قابل تسلیم نہیں کہ نوٹ کی اپنی کوئی حیثیت نہیں ہے اور یہ قوت خرید کے سند' کے طور پر ہے بلکہ نوٹ خود ثمن عرفی ہے اور ابتدائی ادوار میں نوٹ سونے اور چاندی کی نمائندگی کرتی تھی' اس لحاظ سے اس پر یہ لکھا جاتا تھا کہ مطالبہ کے وقت حامل ہذا کو حکومت اتنی رقم ادا کرے گی تو پہلے اس کی پشت پر باقاعدہ سونا چاندی تھا اور یہ سونے اور چاندی کے رسید کے طور پر استعمال ہو جاتا تھا تو تاریخ بتا رہا ہے کہ نوٹ ابتدا میں سونے چاندی کی رسید تھی' قوت خرید سے عبارت نہیں تھا جب رسید پر لوگوں کو اعتماد زیادہ ہوا تو لوگوں نے سونے اور چاندی کو چھوڑ کر رسید پر اپنا کاروبار شروع کیا اور اس کو ثمن عرفی کی نگاہ سے دیکھا گیا۔

اب اس کو قوت خرید کے درجہ میں شمار کرنا کئی وجوہات کی بناء پر درست نہیں۔

نمبر۱: پہلی وجہ یہ ہے کہ اگر یہ قوت خرید سے عبارت ہے تو پھر قوت خرید میں اشیاء کی تعیین کرنا مشکل ہوگا' مثلاً ایک شخص کہے گا کہ میں آٹے کی قیمت کا اعتبار کرتا ہوں' لہٰذا مجھے آٹے کی قیمت کے حساب سے زیادہ رقم دیا جائے اور اس کا بالمقابل دوسرا شخص یہ کہے گا کہ میں نمک کی قیمت کے اعتبار سے ادائی کروں گا۔ دوسرا شخص یہ کہے گا کہ میں سونے کی قیمت کے اعتبار سے زیادہ رقم کا مطالبہ کرتا ہوں' لہٰذا مجھے سونے کی قیمت کے اعتبار سے رقم دیا جائے اور اس کے بالمقابل دوسرا یہ کہے گا کہ میں چاندی کی قیمت کے اعتبار سے ادائیگی کروں گا۔ تو ہمیشہ کے لئے لین دین میں نزاع جاری رہے گا اور پھر اس کا حل نکالنا ممکن نہ ہوگا۔ اب اگر قوت خرید میں مختلف اشیاء کا تعیین کر دیا جائے تو شرعی اعتبار سے یہ فیصلہ کون کرے گا کہ قوت خرید میں سونے کی قیمت معتبر ہے یا نمک وغیرہ کی۔ علاوہ ازیں اگر یہ تسلیم کیا جائے تو پھر بینکنگ کے نظام میں شرح سود ہمیشہ کے لئے متعین رہتا ہے مثلاً ۱۵ یا ۲۰ فیصد اور اشیاء کی قیمتوں میں دن بدن اتار چڑھاؤ جاری رہتا ہے۔ لہٰذا نوٹ کو قوت خرید سے تعبیر کرنا درست نہیں بلکہ نوٹ خود سونے اور چاندی کے متبادل ثمن عرفی کی حیثیت اختیار کر کے اس پر وہی احکام جاری ہوں گے جو سونے اور چاندی پر جاری ہوتے تھے۔

مثلاً نمبر۱: نوٹ سے خرید وفروخت۔ ۲: نوٹ سے زکوٰۃ ادا کرنا۔ ۳: نوٹ کے بدلے زیادہ نوٹ لینے کا سود کے حکم میں داخل ہونا۔ ۴: نوٹ کے ذریعے دین (قرض) کا ادا ہونا وغیرہ۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اس نظریہ کا حاصل یہ ہے کہ ادائیگی میں مثلیت باعتبار قیمت حقیقت معتبر ہونی چاہیے۔ صرف قیمت

اسمیہ میں مثلیت کا اعتبار درست نہیں۔ شرعی نقطہ نظر سے جائزہ لیا جائے تو بات اس کے برعکس ہے' شرعاً قرض کی ادائیگی میں مقدار میں مثلیت کا اعتبار ہے' حقیقی قیمت میں مثلیت کا اعتبار نہیں۔ مثلاً کسی نے گندم قرض لی' جب واپسی کا وقت آیا تو وہ گندم کی اتنی مقدار ہی واپس کرے گا۔ خواہ قیمت کم ہو یا زیادہ؟ اس بات پر کہ اعتبار مقدار کا ہوتا ہے' حقیقی قیمت کا نہیں ایک واضح دلیل حضرت ابن عمرؓ کی حدیث ہے' جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ ''نقیع'' میں اونٹ بیچا کرتے تھے' کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ بیع دراہم پر ہوتی اور ادائیگی دنانیر میں ہوتی' اور کبھی بیع دنانیر میں ہوتی اور ادائیگی دراہم میں ہوتی' اس کے بارے میں آنحضرت ﷺ سے سوال کیا گیا تو آپ نے اس شرط کے ساتھ اجازت دے دی کہ ادا کے دن کی قیمت کے مطابق ہو (ابوداؤد' کتاب البیوع ۳/۲۵)

اس سے معلوم ہوا کہ ذمے میں تو اس چیز کی مقدار واجب ہوئی ہے جس پر بیع ہوتی تھی' پھر اداء کے وقت اس دن کی قیمت کے لحاظ سے تبادلہ ہوسکتا ہے۔ معلوم ہوا کہ دیون میں جو چیز واجب ہوتی ہے وہ دیون کی مقدار ہے نہ کہ قیمت' اگر قیمت واجب ہوتی ہے تو وجوب کے دن کی قیمت کے لحاظ سے تبادلہ ہوتا۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ اموال ربویہ میں شریعت نے حقیقی مماثلت کو ضروری قرار دیا ہے اس لئے شریعت نے اموال ربویہ میں مجازفہ کو جائز نہیں قرار دیا۔ اور ادائیگی کو' قیمتوں کے اشاریئے کے ساتھ وابستہ کرنے میں مجازفہ لازم آتی ہے' اس لئے کہ یہ بات پہلے واضح ہوچکی ہے کہ ''قیمتوں کا اشاریہ'' تخمینی ہوتا ہے۔

رہا یہ اشکال اشکار کہ نوٹ کی قوت خرید کم ہونے کے بعد بھی نوٹوں کی اتنی ہی مقدار واپس کرنا جتنی لی تھی' قرض خواہ پر ظلم ہے' اس کے جواب کے لئے درجہ ذیل باتیں ذہن میں رہنا مفید ہے'

الف: روپے کی قدر کم ہونے میں مستقرض کے بھی کسی فعل کا دخل نہیں' لہٰذا اس کی ذمہ داری اس پر ڈالنا اس پر ظلم ہے۔

ب: کسی کو رقم دینے کی دو صورتیں ہیں' ایک یہ کہ کسی کے منافع میں شریک ہونے کے لئے کسی کو رقم دی جائے تو منافع میں شریک ہونے کا طریقہ قرض نہیں' بلکہ شرکت یا مضاربت ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ہمدردی کے لئے کسی کو قرض دیا جائے' ہمدردی کے لئے کسی کو قرض دینا بالکل ایسے ہی ہے جیسے اپنے پاس رقم محفوظ کرلی جائے' اگر قرض دینے والا اپنے پاس رقم محفوظ رکھتا تو قدر میں کمی کا کوئی بھی ذمہ دار نہیں تھا' یہاں بھی کوئی ذمہ دار نہیں ہوگا۔

ج: اگر انڈیکسیشن (قیمت کے اشاریئے) صحیح اصول ہے' تو یہ بنکوں کے کرنٹ اکاؤنٹ میں بھی جاری ہونا چاہیے۔ حالانکہ کرنٹ اکاؤنٹ میں اسے کوئی بھی جاری نہیں کرتا ہے۔

د: افراط زر کی صورت میں جیسے زیادہ ادائیگی کو ضروری سمجھا جاتا ہے تو تفریط زر کی صورت میں ادائیگی میں کمی بھی ہونی چاہیے' حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں تو معلوم ہوا کہ نوٹ مستقل ثمن عرفی ہے اور یہ قوت خرید کے تابع نہیں ہے۔